اسلامی بینکاری کے مسائل امکانات اوراشکالات

Islamic Banking Problems Prospects and Drawbacks

Syed Ashfaq Ahmad
PhD Scholar (Islamic studies), NCBA&E, Sub Campus, Multan:
engrashfaqahmad3451@gmail.com

Ghulam Mustafa
PhD Scholar (Islamic Studies), NCBA&E, Sub Campus, Multan:
ghulammustafakh@gmail.com

Abdul Hafeez
PhD Scholar (Islamic Studies), NCBA&E, Sub Campus, Multan:
abdulhafeez5668@gmail.com

Abstract:
Today it is not possible to avoid banking system in matters of trade and transactions at national and international level. But when it comes to Islamic banking, many jurisprudential issues arise, for example, what will be the status of bank accounts.The people of Islam wish to introduce a system of Islamic banking that is in accordance with Islamic rules and regulations Islamic banking can be operated according to two business principles of partnership and mutuality But unfortunately, in Islamic banks, loans are transacted on the basis of Murabaha and Ijarah, which many Islamic thinkers are not satisfied with.And they look at the Islamic banking system with the eyes of concern. The most basic condition of Islamic banking is that it should be free of interest along with full compliance with Sharia rules. It is a major weakness in Islamic banking that while using Murabahah and Ijarah in financing activities, they adopt the mutual interest rate of prevailing banks as a standard to determine their profit. In the same way, providing goods to people in installments, even if it has been declared permissible by the jurisprudents, but the principles of Shariah are neglected in it. That is, the bank provides capital to the desired person to purchase the desired item and return the principal amount and the bank's profit to the bank in installments. And if the bank buys the items itself and keeps its profit on it and gives it to the people in installments, then this method can be compatible with the principles of Shariah. In the same way, bank accounts should be replaced by Mudarabat and partnership and the account holders should be bound by a time frame for how long the account holders want to do business. Also, if an account holder wants to withdraw his money before

the due date, at what rate should he be given interest?In this way the problems can be solved .
Keywords: *Bank, Islamic, Shariah, Account, Rules*

غیر سودی بینکاری:

دور جدید میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر تجارت اور لین دین کے معاملات میں بینکنگ کے نظام سے پہلو تہی ممکن نہیں۔ بینکنگ کا یہ نظام ایسے تجارتی اداروں پر مشتمل ہے جو عوام الناس کی رقوم اوراثاثہ جات بہ طور قرض یاامانت اپنے پاس جمع کرتے ہیں اورایک متعین مقدار میں سود اداکرتے ہیں اور پھران جمع شدہ رقوم کو ضرورت مندوں ،صنعتکاروں اور تاجروں کو نفع (سود) کی بنیاد پر قرض کی سہولت فراہم کرتے ہیں اس روایتی بینکاری کے نظام سے اہل علم بہ خوبی واقف ہیں بات جب اسلامی بینکاری کی آتی ہے تو بعض حلقوں کی جانب سے تحفظات کا اظہار کیا جاتا ہے، بعض حضرات تو اسے بالکل عام معروف سودی بینکنگ کے نظام کے مطابق ہی خیال کرتے ہیں لیکن اہل علم اسے عام بینکنگ کے نظام سے تو نہیں جوڑتے لیکن چند اہم شرعی احکامات کا معترضین تشفی طلب جواب ضرور چاہتے ہیں ،اسلامی بینک کاری کو کچھ خصوصی مسائل کا سامنا ضرور ہے جنھیں مالیات کے شرعی اصولوں کے مطابق حل کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی بینکاری دنیا میں نہایت سرعت سے پھیل رہی ہے۔ جو اس بات کا بعین ثبوت ہے کہ اسلامی نظام معیشت، اپنی ابتدا سے آج تک قابلِ عمل اور قابلِ تقلید ہے۔ اس کے ساتھ اس بات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اہل اسلام اپنے عقائد وعبادات پر قائم بھی ہیں اور جدید مسائل سے بھی غافل نہیں ہیں۔ پیش آمدہ مسائل کو شرعی احکامات کی روشنی میں ڈھالنے کی بھرپور جدوجہد بھی کررہے ہیں اوراس کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال دور حاضر میں اسلامی بینکاری کا قیام اور مختصر وقت میں اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ہے۔ مذکورہ گفتگو کی روشنی میں اس عنوان کی حساسیت اوراہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں غیر سودی بینکاری کے بارے میں پائے جانے والے ابہام کو دور کرنا اوراس نظام میں پائے جانے والی کمزوریوں کی نشاندہی کرنا مقصود ہے، اس لیے ہم نے اپنے اس تحقیقی مقاصد کے حصول کے لیے تقابلی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اسلامی بینکاری کے ان ارتقائی مراحل میں بینکاری سے متعلق متعدد اشکالات وابہام سامنے آتے ہیں جن میں سے ایک بنیادی اوراہم نوعیت کامسئلہ سود کا ہے۔

ربا(سود) کی حرمت:

اسلام میں بلاشبہ سود(ربا) کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سود یہ ہے کہ راس المال میں اضافہ ہو، اضافہ کا تعین بلحاظ مدت کے ہو اور معاملات میں ان باتوں کا مشروط ہونا، یہ سود کے تین اجزائے ترکیبی ہیں اور ایسا قرض جس میں تینوں

اجزائے ترکیبی پائے جائیں وہ ایک سودی معاملہ کہلاتا ہے اور شریعت اسلامیہ میں سود کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ، فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ، وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"1

ترجمہ: وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو جن نے چمٹ کر بد حواس کر دیا ہو بیشک یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا کہ بات ہے کہ خرید و فروخت سود کی طرح ہے اور حالانکہ حلال کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا اللہ تعالیٰ نے سود کو پس جس شخص کے پاس آئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پس اگر وہ باز آ گیا تو اس کے لیے ہے جو پہلے گزر چکا اور معاملہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو شخص دوبارہ لینے لگا (سود) تو وہ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اسی طرح متعدد احادیث میں سود سے منع فرمایا گیا ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَأَكْلُ الرِّبَا، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصِنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ"2

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کون سے (گناہ) ہیں فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اسے ناحق قتل کرنا جس جان کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جنگ کے دن دشمن کو پیٹھ دکھانا اور پاک باز، بھولی بھالی مومن عورتوں پر الزام لگانا۔

اسی طرح مسلم شریف میں عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کی گئی ہے:

"عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ"[3]

---

[1] البقرۃ2:275

[2] مسلم بن حجاج، ابوالحسن القشیری النیساپوری (م261ھ) صحیح مسلم، (بیروت: داراحیاء التراث العربی)، 92:1، حدیث89۔

[3] ایضاً، 1219:3، حدیث نمبر1598۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے (اسی طرح) لکھنے والے اوراس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب (سود کے گناہ میں) برابر ہیں۔

صحیح بخاری میں بھی سود کی حرمت پر درج ذیل روایت بیان کی گئی ہے:

”عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي، فَأَخْرَجَانِي إِلَى أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ، فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ مِنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَعَلَى وَسَطِ النَّهَرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهَرِ، فَإِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِي فِيهِ، فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمَى فِي فِيهِ بِحَجَرٍ، فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ، فَقُلْتُ مَا هَذَا؟ فَقَالَ: الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ آكِلُ الرِّبَا.[4]“

ترجمہ: سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رات (خواب میں) دو آدمی دیکھے وہ دونوں میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس لے گئے پھر ہم سب وہاں سے چلے یہاں تک کہ ہم خون کی ایک نہر پر پہنچے وہاں ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے بیچ میں بھی ایک شخص کھڑا تھا (جو شخص نہر سے باہر موجود تھا) اس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے نہر کے درمیان والا شخص آتا اور جیسے ہی وہ چاہتا کہ وہ باہر نکل جائے فوراً ہی باہر والا شخص اس کے منہ پر پتھر زور سے مارتا جو اسے وہیں لوٹا دیتا تھا جہاں وہ پہلے تھا اسی طرح جب بھی وہ نکلنا چاہتا کنارے پر کھڑا شخص پھر زور سے پتھر مارتا اور وہ وہیں لوٹ جاتا جہاں پہلے تھا۔ میں نے (ساتھی فرشتوں سے پوچھا) یہ کیا ہے تو انہوں نے اس بات کا یہ جواب دیا کہ نہر میں جس شخص کو تم نے دیکھا وہ سود خور انسان ہے۔

یقیناً سود کو شریعت اسلامیہ میں بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے لوگ اسے محض کاروباری لین دین کا ایک معاملہ سمجھتے ہیں اس گناہ پر سخت وعید اور گرفت کی گئی ہے سود کی صورت میں مال کے جمع وحصول کی یہ بھوک اس حد تک بدترین جرم ہے کہ اسے اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"[5]

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور چھوڑ دو سود جو باقی ہے اگر تم مومن ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔

---

[4] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، (بیروت: دار طوق النجاۃ، اشاعت اوّل، 1422ھ)، 59:3، حدیث نمبر 2085۔

[5] البقرۃ، 278:2۔

مذکورہ آیت سے اس گناہ عظیم کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیوں کہ اس سے انسانی خود غرضی کے مہیب ترین پہلو کا ظہور ہوتا ہے اسی معصیت پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام رقم طراز ہیں:

"یقیناً تمام انسانی معاصی میں صرف یہی معصیت (حرب من اللہ ورسولہ) ہے کیونکہ اور کسی معصیت میں انسان خدا کے بندوں کے، لیے اس درجہ بے رحم اور خون خوار نہیں ہوجاتا جس درجہ سود کو اپنا وسیلہ بنالینے کے بعد از سر تا پا مجسمہ شقاوت و قساوت اور غلظت و صلابت، ہوجاتا ہے۔ اور خدا کے بندوں کے آگے بے رحمی سے مغرور ہونا فی الحقیقت خدا کے آگے مغرور ہوکر آمادہ جنگ و پیکار ہونا ہے"[6]

شریعت اسلامیہ کے ان واضح احکامات کی روشنی میں کوئی بھی ذی شعور انسان سودی کاروبار یا سودی بنکنگ کے نظام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند صدیوں سے سودی نظامِ معیشت نے حصول مال وزر کے لیے جو اصول و ضوابط متعارف کرائے ہیں وہ دنیا کو بھوک و افلاس اور دولت کی ہوس کے سوا کچھ نہ دے سکا، یہ اس نظام زر کا ہی بیج بویا ہوا ہے کہ اخلاقی قدریں اس قدر زوال پذیر ہوئیں کہ آج انسان دولت کو سمیٹنے کے ہر طریقے کو جائز اور ہر پرائے مال پر رال ٹپکاتا ہے۔ طلب مال وزر نے اخلاقی قدریں پامال کیں جس کا نتیجہ دھونس دھاندلی، قتل و غارت گری، توپوں کی گھن گرج اور بے گور و کفن لاشیں جو اس نظام زر کا منہ چڑا رہی ہیں۔ اسلامی اور سودی بینکاری کے نظام میں فرق سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں سے متعلق مکمل جان کاری ہونی چاہیے۔

سودی بینکنگ کا نظام

سودی بینکنگ کے نظام میں بینک اپنے گاہکوں کو قرضہ فراہم کرتے ہیں اور اس پر ایک خاص مقدار و شرح سے منافع (سود) کماتے ہیں اسی طرح جو لوگ سودی بینکوں میں اپنی رقوم رکھواتے ہیں ان رقوم پر یہ بینک انہیں ایک خاص شرح سے منافع (سود) مہیا کرتے ہیں، مثلاً ایک شخص ایک لاکھ روپے بینک میں جمع کراتا ہے اور مقررہ وقت آنے پر ایک لاکھ دس ہزار روپے وصول کرتا ہے یعنی مدّت کے عوض رقم پر منافع وصول کرتا ہے۔ اس بینکنگ کے نظام میں صارفین کو بہت سی سہولیات بہم پہنچائی جاتی ہیں مثلاً:

(i) لوگوں کی امانتوں کو سرمایہ کی صورت میں جمع کیا جاتا ہے اس کی عام طور پر تین اقسام ہیں: بچت امانتیں، طلبی امانتیں اور معیاری امانتیں۔

[6] ابوالکلام آزاد، ابوالکلام آزاد کے ادبی شہ پارے، مرتبہ: محمد اصغر مغل، (کراچی: دارالاشاعت، 2002ء)، 315۔

(ii) رقوم کی ادائیگی ومبادلہ کا انتظام

(iii) قرضوں کی ادائیگی کا انتظام جو تین طرح کے ہوتے ہیں: طلبی قرضے، قلیل مدّتی قرضے اور طویل مدّتی قرضے

(iv) چیک وڈرافٹ جاری کرنا

(v) سرمایہ کاری کرنا

(vi) کمپنیوں کے حصص کی نیلامی وخریداری

(vi) زر اعتبار کی تخلیق اور اندرون وبیرون ملک انتقال زر۔

اس طرح سودی بینکنگ کے نظام میں جو نفع حاصل ہو گا وہ سود ہو گا۔

غیر سودی بینکنگ کا نظام

بینک کا تعلق دوطرفہ ہوتا ہے پہلا تعلق ان لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنی رقوم بینکوں میں رکھواتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں بینک سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ ان دونوں کی معاملات کی نوعیت میں فرق ہے، اسلامی بینک کے نظام میں جو لوگ اپنی رقوم جمع کراتے ہیں انہیں قرض یا قرض حسنہ کا نام دیا جاتا ہے جیسا کہ مفتی تقی عثمانی بیان فرماتے ہیں:

"موجودہ نظام میں بنک میں جو رقمیں رکھوائی جاتی ہیں آجکل بینکنگ کی اصطلاح میں ان "کو امانت" کہا جاتا ہے لیکن فقہی اعتبار سے، حقیقت میں وہ قرض ہوتا ہے۔ اگر بینک کو اسلامی طریقے سے چلایا جائے تو "امانت داروں" کے ساتھ بنک شرکت یا مضاربت کا معاملہ ، کریگا۔ اس طریقے میں وہ رقم قرض نہیں ہوگی، بلکہ اب صورتحال یہ ہوگی کہ رقم رکھوانے والے "رب المال" ہونگے اور بنک، مضارب ہو گا اور لگایا ہوا سرمایہ "راس المال" ہو گا جس پر بنک کسی خاص شرح سے نفع دینے کا پابند نہیں ہو گا۔ بلکہ جو کچھ نفع حاصل، ہو گا وہ ایک طے شدہ مناسب کے مطابق تقسیم ہو گا"[7]

جہاں تک معاملہ کرنٹ اکاؤنٹ یا الحساب الجاری کا ہے تو اسلامی بینک اس مد میں کوئی نفع نہیں دیگا اور سودی بینک بھی کرنٹ اکاؤنٹ پر کوئی نفع نہیں دیتے لیکن اسلامی بینک جن رقوم پر مضاربت یا مشارکت کرے گا اس پر صارف کو نفع ونقصان میں شامل کرے گا۔

مضاربت ومشارکت شریعت اسلامیہ کی روشنی میں:

مضاربت اور مشارکت کا جواز شریعت اسلامیہ سے ملتا ہے جیسا کہ مشکاۃ المصابیح میں بیان کیا گیا:

---

[7] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، (کراچی: ادارہ المعارف، 1414ھ)، 135۔

"عَن صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ:الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ والمقارضة واخلاط الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ، ". رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه"[8]

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تین چیزوں میں برکت ہے مدت تک (یعنی ادھار پر) بیع کرنا، مضاربت کرنا اور گندم میں جو ملانا گھریلو استعمال کے لیے نہ کہ تجارت کے لیے۔

جیسا کہ قبل اسلام میں بھی مضاربت کا تصور موجود تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکّہ کی مالدار خاتون تھیں آپ رضی اللہ عنہا کاروباری لوگوں کو تجارت کے لیے سرمایہ دیا کرتی تھیں اور اس پر نفع لیتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی امانتداری سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کے ذریعے مال تجارت شام کے ملک بھیجا اور اس پر جو نفع ہوا اس میں سے حصہ وصول کیا۔ عصر حاضر میں اسلامی بینکوں نے مضاربت اور مشارکت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مشارکت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی بیان کرتے ہیں:

"اس وقت پوری دنیا میں کم از کم ۸۰ سے لے کر ۱۰۰ تک ایسے بینک اور سرمایہ کاری کے ادارے قائم ہو چکے ہیں جن کا یہ دعوئی ہے، کہ وہ اسلامی اصولوں پر اپنے کاروبار کو چلا رہے ہیں اور انٹرسٹ سے پاک کاروبار کر رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا یہ دعویٰ سو، فیصد صحیح ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوں لیکن بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اس وقت پوری، دنیا میں تقریباً ایک سو ادارے اور بینک تغیر سودی نظام پر کام کر رہے ہیں، اور یہ صرف اسلامی ملکوں میں نہیں بلکہ بعض مغربی اور یورپین ممالک میں بھی کام کر رہے ہیں ان بینکوں اور اداروں نے "مشارکہ" کے طریقے پر عمل کرنا شروع کیا ہے، اور جہاں کہیں "مشارکہ" کے طریقے کو اپنایا گیا وہاں اس کے بہتر نتائج نکلے ہیں ہم نے پاکستان میں ایک بینک میں اس کا تجربہ کیا اور میں نے خود اس کی دینی نگراں کمیٹی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اس کا معائنہ کیا، اور اس میں "مشارکہ" کے اندر بعض اوقات کھاتہ داروں کو ہمیں فیصد نفع بھی دیا گیا لہذا اگر "مشارکہ" کو وسیع پیمانے پر کیا جائے تو اس کے نتائج اور بھی زیادہ بہتر نکل سکتے ہیں"[9]

مضاربت اور مشارکت میں معمولی سا فرق ہے اس فرق کو مولانا خالد سیف اللہ رحمانی یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ دونوں اشتراک کے ساتھ کاروبار کی صورتیں ہیں، فرق یہ ہے کہ مضاربت میں ایک شخص کا صرف سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے، شخص کی طرف سے محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ مشارکت (جس کو اصل میں فقہاء

---

[8] التبریزی، محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، مشکاۃ المصابیح، (بیروت: المکتب الاسلامی، طبع سوم، 1985ء)، 885:2، حدیث نمبر 2936۔

[9] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور ہماری زندگی، (لاہور: ادارہ اسلامیات، اشاعت اول 2010ء)، 126:3

"شرکت "سے تعبیر کرتے ہیں)، میں دونوں افراد کا مال یادونوں کی محنت شامل ہوتی ہے اور نفع میں بھی دونوں شریک ہوتے ہیں ،یہ دونوں ہی صورتیں شریعت میں جائز ہیں اوراسلام میں سرمایہ کاری کی بنیاد ان ہی دونوں معاملات پر ہے"[10]

اجارہ:

مضاربت اور مشارکت کی طرح اجارہ کی بنیاد پر بھی شریعت میں تجارت کرنے کے لیے راہنمائی ملتی ہے جس سے بینکاری میں مدد لی جاتی ہے جیسا کہ ابن نجیم زین الدین بن ابراہیمؒ بیان کرتے ہیں:

"قَالَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - (صَحَّ إجَارَةُ الدُّورِ وَالْحَوَانِيتِ بِلَا بَيَانٍ مَا يَعْمَلُ فِيهَا) وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَجُوزَ هَذِهِ الْإِجَارَةُ حَتَّى يُبَيِّنَ مَا يَعْمَلُ فِيهَا؛ لِأَنَّ الدَّارَ، تَصْلُحُ لِلسُّكْنَى وَلِغَيْرِهَا، وَكَذَا الْحَوَانِيتُ تَصْلُحُ لِأَشْيَاءَ مُخْتَلِفَةٍ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا تَجُوزَ حَتَّى يُبَيِّنَ مَا يَعْمَلُ فِيهَا كَاسْتِئْجَارِ الْأَرْضِ لِلزِّرَاعَةِ وَالثِّيَابِ، لِلُّبْسِ، وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْعَمَلَ الْمُتَعَارَفَ فِيهَا السُّكْنَى وَالْمُتَعَارَفُ كَالْمَشْرُوطِ؛ وَلِأَنَّ إجَارَتَهَا لَا تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْعَامِلِ وَالْعَمَلِ فَجَازَ، إجَارَتُهَا مُطْلَقًا بِخِلَافِ الْأَرَاضِي"[11]

(بغیر کسی وضاحت کے مکانات اور دکانیں کرایہ پر لینا درست ہے)مشابہت یہ ہے کہ یہ اجارہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ واضح نہ کر دے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا(یعنی جگہ کے ساتھ)۔کیونکہ گھر رہنے اور دیگر مقاصد کے لیے موزوں ہے اسی طرح دکانیں مختلف چیزوں کے لیے موزوں ہوتی ہیں،اس لیے انھیں اس وقت تک اجازت نہیں دی جانی چاہیے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ ان میں کیا کیا جارہا ہے۔جیسے کھیتی کے لیے زمین کرائے پر دینا اور پہننے کے لیے کپڑا۔جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عام رواج کام رہائش ہے اور رواج کا کام مشروط ہے۔مزدور اور کام کے اعتبار سے اس کا اجارہ مختلف نہیں ہوتا،لہٰذا زمین کے علاوہ اسے عام طور پر کرایہ پر دینا جائز ہے۔

جیسا کہ مسلم شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْقِلٍ، فَسَأَلْنَاهُ عَنِ الْمُزَارَعَةِ، فَقَالَ: زَعَمَ ثَابِتٌ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ، وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ، وَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهَا"[12]

---

[10] سیف اللہ خالد رحمانی، کتاب الفتاوی،(کراچی: زمزم بکڈوپو، س ن)،5:194۔

[11] زین الدین بن ابرہیم ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق،(ایران: دارالکتاب الاسلامی، اشاعت دوم، س ن)،8:11۔

[12] مسلم بن حجاج، صحیح مسلم،3:1184، حدیث نمبر1549۔

ترجمہ: عبد اللہ بن سائب بیان کرتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن معقل کے پاس گئے ہم ان سے مزارعت کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا اور اجارہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

مذکورہ گفتگو کی روشنی میں اسلامی بینکاری کے نظام میں اجارہ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے صارف کو مکان، دوکان، فیکٹری ،زمین یا مشینری وغیرہ بینک خود خرید کر کرائے پر دے سکتا ہے، مثلاً کسی کاروباری شخص کو مشینری باہر سے منگوانی ہے اس کے لیے بینک سے قرض لینا چاہتا ہے تو بینک خریدنے کے لیے پیسے دینے کے بجائے مشین خرید کر صارف کو دے اس پر کرایہ وصول کرے اس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔

مرابحہ یا بیع بالتقسیط:

اسی طرح بیع بالتقسیط یا مرابحہ کے سلسلہ میں شریعت سے راہنمائی ملتی ہے یعنی اقساط پر چیزوں کا لین دین اس میں بینک اپنے کسی گاہک کو کوئی مشینری وغیرہ خرید کر اقساط پر دے سکتا ہے اور یہ طریقہ کار ایک بینک کے لیے بہترین ذریعہ آمدن ہو سکتا ہے اس کے شرعی جواز کے سلسلہ میں 24 تا 27 اکتوبر 1997ء بمبئی میں ایک فقہی سیمینار منعقد ہوا جس میں نفع کے ساتھ قسطوں پر خرید و فروخت کے شرعی احکامات پر تفصیلی بحث ہوئی جس میں جید علما و مفتیان کرام اور مفکرین نے شرکت فرمائی اس سیمینار میں پیش کیے جانے والے مقالات و مناقشات کو مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے کتابی شکل میں "قسطوں پر خرید و فروخت سے متعلق شرعی احکام" مرتب کیا۔ مفتی نادر قاسمی نے تلخیص مقالہ اس کتاب میں بیان کیا ہے کہ نقد اشیاء کے مقابلہ میں ادھار فروختگی میں اشیاء کی قیمت زیادہ لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہم خیال تھے کہ نقد کے مقابلہ میں ادھار فروخت کر کے قیمت اضافہ جائز اور درست ہے بیع بالتقسیط کے قائلین نے زیادہ تر محدثین اور فقہا کی مندرجہ ذیل عبارتوں کو جواز استدلال کے طور پر پیش کیں:

"عن أبي هريرة قال :نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة ...وقال أبوعيسى:حديث ابي هريرة حسن صحيح والعمل على هذا عند اهل العلم ،قالوا:بيعتين في بيعة ان يقول :ابيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولايفارقه على احد البيعتين ،فاذا فارقه على احداهما فلا باس إذا كانت العقد على واحدته منهما" جامع التزى مع الشرح لابن العربى المالكى5/239-240 وقالت الشافيعته والحنفية و زيدبن على والمؤيد باالله والجمهور: إنه يجوز لعموم الادلة القاضية بجوازه، وهو الظاهر الآن ذلك المتمسك هي الرواية الاولى من حديث أبى هريرة (نيل الاوطار للشوكانى5/152) سب نے اس پر اتفاق کیا لیکن مولانا شمس پیرزادہ اور حکیم ظل الرحمٰن نے اسے درست قرار نہ

دیااوراختلاف کیا، ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ یہ محض ایک حیلہ اصل میں سودی کاروبار ہی ہے اوراس کے پس منظر میں وہی سودی ذہنیت کار فرماہے، اس لیے اس صورت کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ادوسرا سوال یہ تھا کہ ادھار قیمت کی یکمشت ادائیگی لازمی ہے یا اقساط پر اس رقم کو ادا کیا جاسکتا ہے سب مقالہ نگاروں نے اس پر اتفاق کیا کہ ادھار رقم کا قسطوں پر ادا کرنا جائز ہے اور مباح ہے لیکن یہاں بھی شمس پیرزادہ نے اختلاف کیا اوراسے بھی ناجائز ٹھہرایاجواز میں استدلال طور پر یہ عبارت پیش کی "من باع سلعة بثمن على أن تعطيني كل يوم درهماوكل يومين درهمين (منحة الخالق على البحر280/5،خانيه مع الهندية 269/2) ومن كانت عليه دنانير منجمة اودراهم ،فاراد ان يقبضها عليه لمن جعله الطائب نجومااان اخل بنجم حل الباقى ،فالامركماشرط (البحرالرئق/280)"[13]

بیع بالتقسیط سے متعلق قائلین کی آراء:

"امام ترمذی کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بیع کے ناجائز ہونے کی علت یہ ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کی عدم تعیین سے 'ثمن دوحالتوں متردد ہوجائے گااور یہ تردد جہالت ثمن کو مستلزم ہے اس بناء پر بیع ناجائز ہوئی مگر مدّت کے مقابلے میں ثمن کی زیادتی 'ممانعت کا سبب نہیں لہذا اگر عقد کے وقت ہی کسی ایک حالت کی تعیین کرکے جہالت ثمن کی خرابی دور کردی تو پھر اس بیع کے جواز میں' شرعاً کوئی قباحت نہیں رہے گی۔ آئمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا بھی وہی مسلک ہے جو امام ترمزی نے بیان فرمایااوردلائل سے یہی راجح ہے' اس لیے کہ قرآن وحدیث میں اس بیع کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں اوراس بیع میں ثمن کی جوزیادتی پائی جارہی ہے اس پر ربا کی' تعریف بھی صادق نہیں آرہی ہے کیونکہ وہ قرض نہیں ہے اور نہ ہی یہ اموال ربویہ کی بیع ہورہی ہے بلکہ یہ ایک عام بیع ہے اور عام بیع میں ' بائع کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے فروخت کرے اور بائع کے لیے شرعاًیہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی چیز' بازاری دام پر ہی فروخت کرے اور قیمت کے تعیین میں ہر تاجر کا علیحدہ اصول ہوتا ہے بعض اوقات ایک ہی چیز کی قیمت حالات کے اختلاف' سے مختلف ہوجاتی ہے۔ اوراگر کوئی شخص اپنی چیز کی قیمت ایک حالت میں مقرر کرے اور دوسری حالت میں دوسری مقرر کرے توشریعت' اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔ لہذا کوئی شخص اپنی چیز نقد آٹھ روپے میں اورادھاردس روپے میں بیچ رہاہو اس شخص کے لیے بالاتفاق

[13] مولانا قاضی قاسمی، قسطوں پر خرید وفروخت سے متعلق شرعی احکام،(دہلی: ایفا پبلیکیشنز،2010ء)،25،24۔

اسی چیز کو نقد دس روپے میں فروخت کرنا بھی جائز ہے تو ادھار دس روپے میں بیچنا کیوں ناجائز ہو گا؟ چونکہ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ' ہے اور کثر فقہا اور محدثین نے اس کو بیان کیا ہے اس لئے قرآن سنت سے اس بیع کے جواز پر دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں"[14]

اسی عنوان پر علامہ رافعی شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"إذا اشتراه بثمن مؤجل وجب الاخبار عنه للتفاوت الظاهر بين المؤجل والمعجل في المالية وفي البيان حكاية وجه غريب أنه لا يجب التعرض له"[15]

اس لیے اصافی رقم کو اجل کی قیمت قرار دے کر اس کو سود کہنا اور ناجائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح علامہ شوکانی بھی یہی بیان کرتے ہیں:

"وقالت الشافعية والحنفية وزيد بن علي والمؤيد بالله والجمهور إنه يجوز لعموم الأدلة القاضية بجوازه "[16]

شافعیہ وحنفیہ وزید بن علی ومؤید باللہ اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس کے مباح ہونے کے شواہد کے عموم کی بنیاد پر جائز ہے۔

عصر حاضر میں اسلامی بینکنگ کے نظام کو اسلامی بنیادوں پر چلانے کے لیے "مشارکہ "مرابحہ "بيع بالتقسيط یامرابحہ اوراجارہ کی مکمل اسکیمیں قابل عمل ہیں اوران سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان اپنے ادارے ان قواعد پر قائم کر سکتے ہیں، اور جن شرعی مناہج پر گامزن ہو کر ہم اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں ان پر تساہل مناسب نہیں، اس معاملہ میں اہل علم کو امت کی راہنمائی کرنا ہو گی اس کی اہمیت اور حساسیت سے آنکھیں نہیں چرائی جاسکتیں لیکن اس بات کا بھی پورا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو چیزیں سود اور حرام ہونے کے زُمرہ میں آتی ہیں ان سے اجتناب انتہائی ضروری ہے اور جو لوگ اس نہج پر کام کررہے ہیں یقیناً ان کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے اتنا ضرور ہے کہ ہمارے پاس نظام موجود ہے جس کے مطابق ہم اپنے اسلامی بینکنگ کے نظام کو چلا سکتے لیکن ان

[14] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، (لاہور: ادارہ اسلامیات، اشاعت اول2008ء)، ۳:92،93۔

[15] عبدالکریم القزوینی، فتح العزیز بشرح الوجیز، (بیروت: دار لفکر، س ن)، 13:9۔

[16] محمد بن علی الشوکانی، نیل الاوطار، (مصر: دارالحدیث، اشاعت اول، 1413ھ، 1993ء)، 181:5۔

اشکالات کو دور کر لیا جائے جن پر کچھ لوگوں کے جائز اور فوری توجہ طلب تحفظات ہیں جیسا کہ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی صاحب خود فرماتے ہیں:

" یہاں کے مسلمان ماشاء اللہ اس بات کو سمجھتے ہیں اور اس میں خود ان کے مسائل کا بھی حل ہے ان کو چاہیے یہاں رہ کر فائینانشیل، انسٹیٹوٹ قائم کریں امریکہ میں میرے علم کے مطابق کم از کم ہاؤسنگ کی حد تک دو ادارے موجود ہیں اور وہ ٹھیک اسلامی بنیادوں پر، کام کر رہے ہیں۔ ایک ٹورنٹو میں اور ایک لاس اینجلس میں ہے، اب ان اداروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو اپنے طور پر ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ماہر فقہاء اور مفتی حضرات سے مشورہ کر کے اس کا نظام قائم کریں"[17]

غیر سودی بینکنگ کے سلسلہ میں پائے جانے والے اشکالات:

بہت سے علماء و محققین نے نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غیر سودی بینکاری میں پائے جانے والے مفاسد کی جانب توجہ دلائی ہے اکثر معترضین مضاربت، مشارکت، اجارہ اور مرابحہ کے خلاف نہیں لیکن ان پر عمل کرتے ہوئے جن غیر شرعی معاملات کو اختیار کر لیا گیا ہے ان کے اصلاح کی جانب اور ان کی حلت و حرمت کی جانب توجہ مبزول کرائی گئی ہے.

مضاربت اور مشارکت کے بارے میں اشکالات:

مثلاً یومیہ آمدنی کی بنیاد پر نفع کی تقسیم یہ شرعی مضاربت و شرکت کے اصول وضوابط کے مطابق ہے یا نہیں۔ اسی طرح شرکت متناقصہ، اجارہ اور اس کی مرمت کی شرط، اجرت اور کرایہ کا مجہول ہونا، ان میں پائی جانے والی کمزوریوں کی وجہ سے مشکوک ہے اسی طرح صحت شرکت و مضاربت کے لیے ضروری ہے کہ راس مال کو معلوم ہو کہ اس کا پیسہ کس کاروبار میں لگایا جا رہا ہے، سیکیورٹی ڈپازٹ کی شرائط وغیرہ ان عوامل کے اصلاح کی بہر حال ضرورت ہے۔ سب سے بنیادی چیز جس پر غیر سودی بینکاری کی عمارت تعمیر ہوئی ہے وہ مضاربت اور مشارکت سب سے زیادہ اسی معاملہ میں اصلاح درکار ہے جیسا کہ اگر بینک والے سال میں کوئی ایک دن مقرر کرتے اس دن صارفین بینک میں اپنا سرمایہ جمع کراتے ہیں تمام کی رقموں سے ایک ہی وقت میں شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر کاروبار ہوتا ہے اور ایک مدّت چھ ماہ یا سال یا دو سال یا ان سے کم زیادہ تک کاروبار کی مدّت طے کر لیتے ہیں اور اس مدّت کے بعد نفع اور نقصان تقسیم ہو جاتا

---

[17] مفتی محمد عثمانی، اسلام اور ہماری زندگی، 130۔

ہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر صارف جب چاہے رقم نکلوالے اور جب چاہے کاروبار میں شامل ہو جائے تب مسائل کا سامنا ہو گا اس طرح اوسط فی یومیہ کے حساب سے نفع دے دیا جائے گا جس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوتے نظر نہیں آتے مثلاً ایک مہینہ کے ابتدا میں اپنا پیسہ شراکت کے کاروبار میں لگاتا ہے اور دوسرا مہینہ کے نصف میں آکر اپنا پیسہ کاروبار میں لگاتا ہے اور مہینہ کے آخر میں دونوں کو پورے مہینہ کی اوسط فی یومیہ کے حساب سے نفع نقصان میں شامل کر لیا جبکہ اکثر اس صورتحال کا سامنا رہے گا کبھی نفع مہینہ کے ابتدا میں زیادہ ہو گیا کبھی مہینہ کے آخری دنوں میں لیکن آپ نفع دے رہے ہیں اوسط فی یومیہ کے حساب سے اس سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے دوسرا یہ کہ شراکت ومضاربت میں نفع کا تعین تو آپ باہمی مشاورت سے کر سکتے ہیں لیکن نقصان کی صورت میں سرمایہ کے بقدر نقصان تقسیم ہو گا یعنی نقصان کا اثر صرف سرمایا پر پڑنا چاہیے اور نفع باہمی مشاورت سے طے کیا جاسکتا ہے اسی طرح یومیہ پیداوار کے حساب سے تقسیم میں بھی اسلامی بینکنگ کے نظام میں بہت سقم پایا جاتا ہے۔

" قارئین کرام! حضرت نے یومیہ پیداوار الخ" کے طریق کار کے ثبوت اور جواز کی خاطر جتنی عبارات اور مثالیں ذکر فرمائی ہیں کسی، ایک سے بھی حضرت کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان تمام مثالوں کا مدار ضمان پر ہے، ان مثالوں میں شرکاء جس طرح نفع میں شریک ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کے ضامن اور کفیل بھی ہیں۔یعنی نقصان میں بھی شریک ہیں جبکہ غیر سودی بینکوں میں جو شخص (مثلا) چھ، مہینے کے بعد آکر شریک ہوا ہے، اگر بینک کو پہلے چھ مہینوں میں لاکھوں کا نقصان ہوا ہو تو یہ بعد میں آنے والا شخص شرعاً اس نقصان میں، شریک اور اس کا ضامن نہیں ہو سکتا، اسی طرح اگر بہت زیادہ نفع ہوا ہو تو شخص شرعا اس نفع کا حقدار بھی نہیں بن سکتا۔ابتدائی شرکاء پر، یہ شرط لگانا اور ان سے یہ وعدہ لینا کہ بعد میں آنے والے بھی اس نفع میں شامل ہوں گے اور ان کو بھی اس کا کچھ حصہ دیا جائے گا، اور بعد، میں آنے والے پر گذشتہ مہینوں کے نقصان کے کچھ حصہ کے عمان کی شرط لگانا اور یہ وعدہ لینا کہ گذشتہ نقصان کا کچھ حصہ تجھ پر بھی پڑے گا کیا شرعاً درست ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں خلاف شرع اور ان پر عمل کرنا ناجائز ہے۔خود حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے اس قسم کے ناجائز وعدے کو رد فرمایا ہے، فرماتے ہیں: اگر کسی خلاف شرع بات کا کوئی وعدہ کیا گیا ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں"[18]

اسی طرح رب المال کو معلوم ہونا چاہیے کہ مضارب کے نفع کی نسبت کیا ہے یعنی کس نسبت سے وہ نفع میں حصہ دار ہو گا اور دیگر حصہ داروں سے نفع کی کیا نسبت طے ہوئی؟ رب المال کے علم میں یہ بھی ہونا چاہیے کہ راس المال کو کس

[18] احمد ممتاز، غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ، (کراچی: جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم 1432ھ/2010ء)، 63۔

کاروبار میں لگایا گیا ہے۔ اس بحث میں سب سے اہم معاملہ یومیہ پیدوار کا ہے کیا اس سے شرعی تقاضے پورے ہوتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ نفع کی تقسیم تقریبی ہو۔

"لیکن جب ایک مدت شرکت ختم ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس مدت میں کتنی رقم کتنے دن بنک میں رہی اور فی روپیہ فی یوم منافع کا، اوسط کیا رہا پھر جس شخص کے جتنے روپے اس مدت کے دوران جتنے دن بنک میں رہے کیا اس کے حساب سے نفع تقسیم کر دیا جائے۔، شرعی نقطہ نظر سے اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس طریقے سے نفع کی تقسیم تقریبی ہوتی ہے۔ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کسی کے، حقیقی مطلع کا کچھ حصہ دوسرے کے پاس چلا جائے۔ خلا چھ ماہ کے بعد نقع تقسیم ہوا۔ ان چھ ماہ میں سے پہلے تین ماہ میں نفع زیادہ ہوا اور، آخری تین ماہ میں نفع کم ہوا۔ ان چھ ماہ کے دوران زید کی رتم تو چھ ماہ بنک میں رہی اور عمرو کی رقم آخری تین ماہ رہی اور نفع فی یوم برابر، ملے گا تو اس صورت میں زید کے حقیقی نفع کا کچھ حصہ عمرو کے پاس آجائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ نفع کی تقسیم کی مذکورہ صورت، میں یہ اشکال موجود ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ شرکت میں شرکاء کے اموال مشاع طور پر مخلوط ہو جاتے ہیں۔ لہذا نفع، تقسیم کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ہر ایک کے سرمائے سے حقیقی نفع کیا ہوا بلکہ تمام مجموعی سرمائے سے جو مجموعی نفع ہوا ہو وہ، تقسیم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ایک کے سرمائے سے نفع حاصل ہوا ہو اور دوسرے کے سرمائے سے بالکل نفع نہ ہوا، ہو۔ معلوم ہوا کہ نفع کی حقیقی تقسیم شرکت میں مطلوب نہیں تقریبی تقسیم بھی کافی ہے بشر طیکہ تمام شرکاء اس پر راضی ہوں لہذا، مروجہ طریقے سے ضلع کی تقسیم کی شرعاً گنجائش معلوم ہوتی ہے"[19]

اجارہ و مرابحہ کے بارے میں اشکالات

اجارہ کا معاملہ بینک والوں اور صارف کے درمیان مبہم سا ہوتا ہے صارف جب بینک سے گاڑی یا مشینری وغیرہ لیتا ہے تو وہ عقد سمجھ کر لیتا ہے جبکہ حقیقت میں اس کے ساتھ معاملہ اجارہ کا کیا جارہا ہوتا ہے اور صارف عقد کرنے کے بعد اس شیئ کے ساتھ معاملہ بھی مالک ہونے کی طرح کرتا ہے اور بسا اوقات وہ گاڑی یا مشینری کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت بھی کر دیتا ہے اس بات کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ بینک اس بات کی وضاحت کرے کہ وہ صارف کو گاڑی کرائے پر دے رہے ہیں نہ کہ صارف کو گاڑی کا مالک بنادیا گیا وضاحت کے بغیر بیع درست نہ ہوگی۔ اجارہ کا یہ طریقہ

[19] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، 136۔

طویل المیعاد تمویل کے متبادل کے طور پر غیر سودی بینکاری میں عام طور سے یہ مستعمل ہے اس کا استعمال مشینری اور کاروں میں کثرت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ سودی بینکنگ نظام کے تحت کوئی آدمی کار خریدنا چاہے، اور اُس شخص کے پاس پوری قیمت نہ ہو تو سود پر بینک سے قرض لے کر کار خریدلیتا ہے، اور بینک اُس شخص سے ماہانا قسط وار قرض اور اضافی رقم سمیت وصول کرتا ہے یا بینک صارف سے لیزنگ کا وہ طریقہ کار اختیار کرلیتا ہے جس طریقہ میں بینک والے کار کا حقیقی مالک ہونے کے باوجود گاڑی کی ملکیت کی کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے، اگر اس مدت کے دوران کار یا مشینری تباہ بھی ہو جائے تب وہ صارف سے کرائے کے نام پر رقم لیتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"غیر سودی بینک اس کے بجائے گاڑی خود خریدتے ہیں، اور گاہک کو ایک طویل مدت، مثلا تین سال سے پانچ سال تک کے لئے کرائے پر، دیدیتے ہیں۔ کرایہ متعین کرتے وقت وہ اس بات کو مد نظر رکھتے ہیں کہ تین سال کی مدت میں انہیں اپنی لاگت کچھ نفع کے ساتھ وصول، ہو جائے۔ اُس کے بعد وہ گاڑی گاہک کو معمولی قیمت پر بیچ دیتے ہیں، یا بلا قیمت دیدیتے ہیں۔ اس طریق کار کی اجازت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ دی گئی ہے (1) مالیاتی ادارہ جو گاڑی کرائے پر دے رہا ہے، کرایہ داری کی مدت کے دوران گاڑی کے مالک کی حیثیت سے وہ، ملکیت کی پوری ذمہ داری اٹھائے، یعنی اگر وہ گاڑی گاہک کی کسی غفلت یا تعدی کے بغیر تباہ ہو جائے تو نقصان بینک کا ہو (۲) گاڑی کے بنیادی طور پر قابل انتفاع ہونے کے لئے جتنی مرمت کی ضرورت ہے، اُس کے اخراجات بینک کے ذمہ ہوں"[20]

مفتی تقی عثمانی صاحب ایک اور مقام پر فائنانشل لیزنگ کو بینکوں میں شرعی تقاضوں کے مطابق نہ ہونے کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

"البتہ آجکل فائینانسنگ اداروں اور بینک میں فائنانشل لیزنگ کا جو طریقہ رائج ہے وہ شریعت کے مطابق نہیں ہے شریعت کے خلاف ہے اس ایگریمنٹ میں بہت سی شقیں(Clauses) شریعت کے خلاف ہیں۔ لیکن اس کو شریعت کے مطابق آسانی کے ساتھ بنایا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں متعدد فائینانشل ادارے قائم ہیں جن میں لیزنگ ایگریمنٹ شریعت کے مطابق ہیں اس کو اختیار کرنا چاہئے "[21]

---

[20]مفتی محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 1413ھ /2009ء)، 239۔

[21]مفتی محمد تقی، اسلام اور ہماری زندگی، 128۔

اسی طرح مرابحہ یا بیع بالتقسیط کے معاملہ میں بھی اسلامی بینکنگ کے نظام میں کمزوریاں موجود ہیں اسی مذکورہ معاملے پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی صاحب روشنی ڈالتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ شرعی اعتبار سے مرابحہ خرید وفروخت کا ایک طریقہ اور اجارہ کسی چیز کا حق استعمال حاصل کرنے کا ایک معاہدہ تو ہے لیکن یہ فائنانسنگ کے طریقے قطعاً نہیں ہیں اس لیے مرابحہ "اور اجرہ کی اساس پر فائنانسنگ نہ تو شریعت کو مطلوب اور نہ ہی تقسیم دولت کے حوالے سے سود مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ اسلامی بینکوں کے حامی بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ مرابحہ اور اجارہ پسندیدہ متبادل نہیں"[22]

تاخیر پر جرمانہ:

عام سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینکوں میں بھی اقساط وغیرہ یا کسی بھی قسم کی تاخیر پر جرمانہ وصول کرتے ہیں لیکن اس میں حیلہ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے اس رقم کو خیراتی اداروں میں جمع کرادیا جاتا ہے کسی سے سزا کے طور پر اس طرح سے رقم وصول کرنا شرعی تقاضوں کے خلاف ہے جیسا کہ بحر الرئق شرح کنز الدقائق میں بیان کیا گیا کہ مالی جرمانہ جائز نہیں

"وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ"[23]

حاصل کلام یہ کہ جرمانہ وصول کرکے تعزیری سزا دینا جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس رقم بھی ہے لیکن پھر بھی وہ جان بوجھ کر تاخیر کرتا ہے اور وقت پر رقم ادا نہیں کرتا تو اس کا کیا حل ہو سودی بینک والے تو ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں خود بخود سود بڑھ جاتا ہے اس خوف کی وجہ سے صارف بروقت ادائیگی کرتا ہے لیکن غیر سودی بینک والے اس صورتحال میں کیالائحہ عمل اختیار کریں؟ اس پر جو موقف مفتی تقی عثمانی صاحب کا ہے وہ درجہ ذیل ہے:

"سودی نظام میں توادائیگی میں تاثیر کی صورت میں خود بخود سود بڑھتا رہتا ہے، جس کے ڈر سے مدیون دین بروقت ادا کر دیتا ہے، مگر مشارکہ، مضاربہ یا مرابحہ میں یہ صورت نہیں ہوتی، اسلئے لوگ غلط فائدہ اٹھا کر ادائیگی میں تاخیر کرتے ہیں۔ اس کے سدباب کا کیا طریقہ ہو؟ یہ مسئلہ علمائے معاصرین میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ ادائیگی میں تاثیر مدیون کے اعسار (نادار ہونے) کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم قرآن پاک نے بیان کر دیا ہے۔ "و ان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة" یعنی مدیون کو کسی، قسم کے اضافے کے بغیر مزید مہلت دینی

---

[22] محمد نعیم صدیقی، اسلام اور جدید معاشی تصورات، (لاہور: مکتبہ دانیال، 2015ء)، 601۔

[23] زین الدین بن ابرہیم، البحر الرئق شرح کنزالدقائق، 5:44۔

چاہیئے، لیکن اگر وہ مماطل ہو، یعنی سرمایہ پاس ہونے کے باوجود بلاوجہ تاخیر کر رہا ہو تو اس کا سد باب کیسے ہو؟ اس سلسلے میں بعض علمائے معاصرین نے مدیون پر تاخیر کی صورت میں تعویض مالی(Compensation)، عائد کرنے کو جائز قرار دے دیا ہے۔ اور اس پر بعض بنکوں میں عمل ہو رہا ہے۔ جس کا فارمولا یہ وضع کیا گیا ہے کہ پہلے تو اس کے مماطل، ہونے کی تحقیق کے لئے ایک ماہ تک اس کو نوٹس دیئے جائیں گے اگر ایک ماہ کے نوٹس کے باوجود بھی اس نے ادائیگی نہ کی تو اب اس نے جتنی مدت تاخیر کی ہے، دیکھا جائے گا کہ بنک کے انوسٹمنٹ اکاؤنٹ (حساب الاستثمار) میں اس مدت میں کتنا نفع ہوا ہے۔ اسی حساب سے اس پر ھر جانہ لازم کیا جائے گا جو حکومت کو نہیں، بلکہ متضرر فریق یعنی بنک کو ملے گا"[24]

کھاتوں کی حیثیت

اگر غیر سودی بینکاری کی بات کی جائے تو سب سے اہم مسئلہ کھاتوں کی حیثیت کا ہے غیر سودی بینکوں میں کھاتوں کا لفظ امانت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اوراگر کھاتوں کے لیے امانت کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو بہت سی الجھنیں کھڑی ہوتی ہیں کہ کھاتوں کے لیے امانتوں کا لفظ استعمال ہو تا رہا ہے اور موجودہ وقت میں بھی بینکوں کے لٹریچر میں امانت کا ہی لفظ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے عربی میں ودیعہ اور ودائع کا لفظ استعمال ہو تا ہے۔ لیکن بینکوں میں نہ یہ امانت ہے اور نہ ہی ودیعہ۔ یقیناً ان الفاظوں کے استعمال سے کچھ الجھنیں پیدا ہوئی ہیں جس کی نشادہی ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی اس طرح فرماتے ہیں:

"اگر آپ کسی شخص کے پاس اپنی کوئی قیمتی چیز بطور امانت رکھیں تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ انسانوں کو اس کی ضرورت بھی ہے، اس لیے کہ ہر معقول اور ذمہ دار شخص اپنا مال اور رقم محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور اگر کوئی ایسا ادارہ ہو جو لوگوں کی رقم محفوظ رکھ سکے، اس کی حفاظت کا بندوبست اس کے پاس موجود ہو، اس کے پاس حفاظت کے لیے رقم رکھ دینا شرعاً جائز ہے لیکن بینکوں کا معاملہ اتنا سادہ نہیں تھا۔ بنگ اس رقم کو محض امانت کے طور پر نہیں رکھ رہے تھے۔ بنک اس رقم کو آگے مزید قرض کے طور پر لوگوں کو دے رہے تھے۔ اس قرض پر جو کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لیے لوگوں کو دیا جارہا تھا۔ اس پر سود بھی وصول کر رہے تھے۔ اس سود کا ایک حصہ ان کھاتے داروں کو ادا کر رہے تھے۔ اگر یہ امانت تھی تو اس پر کوئی اضافہ دینا

[24]مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، 144۔

شریعت کی رو سے جائز نہیں تھا۔ اگر یہ امانت نہیں تھی تو اس کو بلاوجہ امانت اور ودیعہ کہنا درست نہیں تھا۔ اگر اس رقم کو ودیعہ کہنا درست نہیں تھا تو پھر کہ یہ کیا تھا؟"25

لیکن اگر بینک والے اس امانت کو جو صارف ان کے پاس رکھواتا ہے صرف مضاربت اور مشارکت میں استعمال کریں اور اس "امانت" کے لیے لفظ رب المال استعمال کریں نہ کہ امانت جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب بیان فرماتے ہیں:

"موجودہ نظام میں بنک میں جو رقمیں رکھوائی جاتی ہیں آجکل بینکنگ کی اصطلاح میں ان کو "امانت" کہا جاتا ہے لیکن فقہی اعتبار سے حقیقت میں وہ قرض ہوتا ہے۔ اگر بینک کو اسلامی طریقے سے چلایا جائے تو امانت داروں کے ساتھ بنک شرکت یا مضاربت کا معاملہ کریگا۔ اس طریقے میں وہ رقم قرض نہیں ہوگی، بلکہ اب صورتحال یہ ہوگی کہ رقم رکھوانے والے "رب المال" ہونگے اور بنکمضارب ہوگا اور لگایا ہوا سرمایہ "راُس المال" ہوگا جس پر بنک کسی خاص شرح سے نفع دینے کا پابند نہیں ہوگا۔ بلکہ جو کچھ نفع حاصل ہوگا وہ ایک طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم ہوگا پھر "کرنٹ اکاؤنٹ" یا" الحساب الجاری" میں بنک آج بھی ڈپازیٹر کو کوئی سود نہیں دیتے۔ اسلامی طریق کار میں بھی اس پر کوئی منافع نہیں دیا جائے گا۔ اور کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقم ڈپازیٹر کی طرف سے بنک کو دیا ہوا غیر سودی قرض سمجھا جائے گا۔ البتہ دوسرے نفع بخش کھاتے "مضاربت" یا "شرکت" کے کھاتوں میں تبدیل ہو جائیں گے"26

خلاصہ کلام

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ غیر سودی بینکاری کے نظام میں ابھی بہت سی کمزوریاں موجود ہیں اور بہت سے معاملات تشفی طلب ہیں لیکن ہمیں اس حقیقت کا بھی ادراک ہونا چاہیے کہ جب بھی کوئی اہم کام اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہا ہو تو اس کی خامیاں بتدریج کم ہوا کرتی ہیں۔ جہاں اخلاص سے کام کرنے والے عرق ریزی سے اصلاح کے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں وہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ غیر سودی بینکاری کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بہت سوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، بدقسمتی سے ابھی غیر سودی بینکاری کا کوئی متحدہ معیار مقرر نہیں ہوا لیکن موقع شناسوں نے دانستا اور کچھ کم علموں نے نادانستا اپنے اپنے انداز میں شرعی

---

25 محمد نعیم صدیقی، اسلام اور جدید معاشی تصورات، 637۔

26 مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، 144۔

طریقوں کی تشریح کی جس سے معاملات میں تناؤ پیدا ہوا۔ جہاں غیر سودی بینکاری کے نام پر اگر غیر شرعی معاملات ہورہے ہیں تو ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا بل کہ ان کی اصلاح ضروری ہے اور جو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ سودی بینکاری کے متبادل کے طور پر غیر سودی بینکاری قائم ہی نہیں کی جاسکتی تو کوئی بھی ذی شعور اس بات کی تائید نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے غیر سودی بینکاری کا نظریہ پیش کیا ہے وہ لوگ بھی اس صورتحال پر متفکر ضرور ہیں، جہاں جہاں غیر سودی بینکاری کے نام پر غیر شرعی اور سودی کام ہورہا ہے اس کے تدارک کے لیے بھرپور جدوجہد اہل علم اور محققین کے لیے ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اگر کسی جگہ کوئی غیر شرعی معاملہ سامنے آتا ہے تو اسے علماء ومفتیان کرام کے ساتھ جوڑ دینا مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ غیر سودی بینکاری کا تصور ایک چیز ہے اور اُس تصور کو عملاً نافذ، کرنے کے لیے جو بینک قائم ہوئے ہیں، وہ دوسری چیز ہیں۔ میری تحریریں غیر سودی بینکاری کے نظریاتی پہلو سے متعلق ہیں جن میں ، یہ بحث کی گئی ہے کہ اس غرض کے لیے کون کون سے طریقے اختیار کرنا شرعاً جائز ہیں؟ ان کی وجہ سے بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا بھر میں جتنے مالیاتی ادارے غیر سودی ہونے کا دعوی کرتے ہیں، میں نے اُن سب کے جواز کا فتوی دیا ہوا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔